افسانے کے نظری مباحث میں تکنیک کی اہمیت

The Importance of Technique in Short Story

رخسانہ سلطان* / ڈاکٹر ظفر حسین ہرل**

Abstract:

The importance and usefulness of the technique are not unmatched by anyone. Technology is the lifeblood of fiction and without it, fiction cannot exist. Different techniques have been used in Urdu fiction. Only through a technique can the intellectual and spiritual significance of fiction be highlighted. In Urdu fiction, a sea of techniques is found. The internal and external aspects of fiction can be understood only by describing technique topics in Urdu fiction.

Key words: Technique, Short Story, Fiction, Discourse, Magic, Strem of Conscience

کلیدی الفاظ: تکنیک، افسانہ، فکشن، مباحث، جادوئی، شعور کی رو

تکنیک کی اہمیت اور افادیت سے مفر نہیں، تکنیک اور افسانے کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ ہر افسانے میں تکنیک منفرد اور اہمیت کی حامل ہے۔ تکنیک ایک ڈھانچہ ہے جس کو بروئے کار لا کر لکھاری اپنے فکری مباحث کو قاری تک پہنچاتا ہے۔ تکنیک کی حتمی اور طے شدہ تعریف کرنا ناممکن ہے۔ تکنیک پر مختلف لوگوں نے اپنے نظریات اور افکار کو پیش کیا ہے لیکن سبھی نقاد تکنیک کی حتمی تعریف کرنے میں ناکام نظر آتے ہیں۔ ممتاز شیریں کو یہ ملکہ حاصل ہے کہ انہوں نے تکنیک کی تعریف و مفہوم کو بڑے سادہ انداز میں پیش کیا ہے۔ وہ لکھتی ہیں:

"افسانے کی تعمیر میں جس طریقہ سے مواد ڈھلتا جاتا ہے وہی 'تکنیک' ہے، میں ایک عام سی مثال سے ذرا

*پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

**اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

اس کی وضاحت کر دیتی ہوں۔ مثلاً ایک برتن بنانے کے لئے سب سے پہلے مٹی کی ضرورت ہوتی ہے اسے خام مواد سمجھ لیجیے پھر اس میں رنگ ملایا جائے گا، یہ اسلوب ہے۔ پھر کاریگر مٹی اور اور رنگ کے اس مرکب کو اچھی طرح گوندھتا، توڑتا، مروڑتا، دباتا، کھینچتا، کسی حصے کو گول، کسی کو چوکور، کہیں سے لمبا، کہیں سے گہرا اور مخصوص شکل پیدا ہونے کے اسی طرح ڈھالتا چلا جاتا ہے۔ تکنیک کے لئے یہ ایک موٹی سی مثال ہے۔"(۱)

کسی بھی تکنیک کی خصوصیات کو ایک ساتھ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ مختلف مواد ایک مخصوص تکنیک سے مختلف موضوعات کو جنم دیتا ہے۔ کسی بھی تحریر میں جمالیاتی اثرات اور جذباتی عناصر پیدا کرنے کے لیے ہر موضوع کی الگ الگ تکنیک استعمال میں لائی جائے گی۔ بعض افسانوں کی تکنیک ایک جیسی ہو سکتی ہے لیکن موضوعات میں تنوع کی وجہ سے وہ مختلف نظر آئے گی۔ ڈاکٹر شمس الرحمن فاروقی تکنیک اور افسانے میں بیان کی کشمکش کو بیان کرتے ہیں، ان کے نزدیک تکنیک محض ایک فنی جزو ہے۔ ڈاکٹر مرزا حامد بیگ تکنیک اور اس کی مختلف صورتوں کو یوں بیان کرتے ہیں:

"ہمارے ہاں محض تکنیکی فکشن کچھ عرصہ پہلے خاصی Thrilling رہی ہے۔ میں اس بات کی وضاحت کر دوں کہ نئی تکنیک کا حمایتی ہونے کے باوجود میں تکنیک کو حاصل نہیں، ذریعہ سمجھتا ہوں میرے نزدیک محض تکنیکی نئے پن کے کوئی معنی نہیں۔ تکنیک موضوع کی عطا ہے اسی طرح اسلوب اپنے عہد کا انکشاف ذات فنکار ہی تخلیقات میں تمام حیثیتوں میں ظہور پذیر ہوا ہے۔ قاری کو صرف اپنی ذات کے ساتھ مناسبت رکھنے والی جہتیں چننے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔"(۲)

تکنیک کے بارے میں ڈاکٹر فوزیہ اسلم نے اپنی کتاب "اردو افسانے میں اسلوب اور تکنیک کے تجربات" میں تکنیک کے مفہوم کو بڑی عرق ریزی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان کے خیال میں تکنیک انگریزی لفظ Technique ہے جو کہ یونانی لفظ Technik's سے اخذ کردہ ہے۔ یہ اصطلاح مغرب سے اردو میں در آئی ہے، جس کا اردو میں معنی صورت حال ہے۔ تکنیک اصل میں خیالات کو ترتیب دیتی ہے۔ انسانی جذبات، خیالات اور احساسات کو ہی شکل دینے کا نام ہی دراصل تکنیک ہے۔ مواد سے شکل پذیری کے عمل کو وہ تکنیک تصور کرتی ہیں۔ ان کے نزدیک کہانی میں اثرات، نفاست اور شائستگی کو جنم دینے کا واحد ذریعہ تکنیک ہے۔

ڈاکٹر وارث علوی نے بھی تکنیک کے مختلف مباحث کو بیان کیا ہے اور ساتھ ہی وہ تکنیک کی مبہم گوشوں کو سامنے لائے ہیں۔ انہوں نے زیادہ تر بیانیہ تکنیک کو بیان کیا ہے۔ ان کے خیال میں تکنیک مختلف ہو سکتی ہے لیکن

خیال ایک ہی رہتا ہے۔ تکنیک کی تبدیلی سے واقعات اور خیالات نہیں بدلتے۔ مواد کے مجموعی اثر کو بڑھانے کا واحد سہارا تکنیک ہوتی ہے۔

ہم ذیل میں تکنیک کی اقسام کا جائزہ لیں گے۔ جس سے اردو افسانے کے فنی وفکری مباحث کو آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے نیز بیانیہ اور تکنیک کے تعلق پر روشنی ڈالی جاسکتی ہے۔

بیانیہ تکنیک افسانہ میں نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ تکنیکی بیانیہ میں وقت کی کوئی قید نہیں ہوتی ہے۔ یہ کئی صدیوں اور سالوں پر مشتمل ہو سکتا ہے۔ اس کسی خاص ملک یا تہذیب کے بارے میں مکمل آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ اس میں کسی قوم کے مشترکہ جذبات خیالات اور ااساسات کی ترجمانی کی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس میں ایک مکمل تہذیب اپنے اثرات دکھاتی ہے۔ اس میں مناظر فطرت کی پیش کش اور معاشرتی اثرات ملتے ہیں۔ بیانیہ ایک تکنیک ہی نہیں بلکہ یہ ساخت کا بنیادی عنصر ہے۔ بیانیہ وہ واحد ذریعہ ہے جس کے بل بوتے پر خیالات اور اثرات آگے منتقل کیے جاتے ہیں:

"بیانیہ واقعاتی سلسلے کا بیان ہے ضروری ہے کہ واقعات آپس میں مربو ہوں اور ایک زمانی تسلسل رکھتے ہوں، یہ بیانیہ کی سادہ تعریف ہے۔"(۳)

بیانیہ کی تکنیک میں مختلف واقعات کو ایک لڑی میں پرو دیا جاتا ہے، جس سے سارے خیالات اور جذبات قاری کے سامنے آجاتے ہیں۔ اس میں مختلف واقعات کو ایک مخصوص ترتیب کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر عقیلہ جاوید بیانیہ کی تعریف یوں کرتی ہیں:

"بیانیہ کا مطلب واقعات کا سلسلہ وار، تاریخ وار بیان۔ دوسرے لفظوں میں کسی واقعہ یا عمل کو ایک خاص وقت کے تناظر میں بیان کرنا کہ اس کے نتائج پر مشتمل ایسی تحریر یا تقریر سامنے آئے جو وضاحتی اور تشریحی ہو، مختصراً یہ کہ واقعہ کو ترتیب وار کھول کر بیان کرنا۔"(۴)

شعور کی رو کی تکنیک اردو افسانے کے ساتھ ساتھ اردو فکشن میں بہت زیادہ استعمال کی جاتی ہے۔ اس تکنیک کے ذریعے انسانی معاشرے کے مبہم حقائق اور اجتماعی شعور کو یکجا کر کے اظہار کیا جاتا ہے۔ اس تکنیک میں اختصار کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس تکنیک کی یہ بنیادی خصوصیت ہے کہ اس میں بیک وقت داخلی زندگی اور شعور ولاشعور کی پیشکش ملتی ہے۔ انسانی زندگی کے مختلف مراحل کو یکجا کر کے بیان کیا جاتا ہے۔ شعور کی رو کی تکنیک میں ماضی کے حالات مستقبل میں ڈھال کر پیش کئے جاتے ہیں۔ زیادہ تر مبالغہ آمیزی سے کام لیا جاتا ہے۔ عقل انسانی کے مبہم گوشوں پر روشنی ڈال کر نفسیات کے ذریعے بعض نفسیاتی الجھنوں کو سلجھایا جاتا ہے۔ ڈاکٹر وقار عظیم اس

کے فوائد پر یوں خامہ فرسائی کرتے ہیں:

"اول تو موجودہ تجزیہ یا واقعہ کی حقیقت کا اندازہ ہو جاتا ہے اور دوسرے یہ کہ اس ایک تجربہ یا واقعہ کے سلسلے میں کردار کی پچھلی زندگی کے بہت سے واقعات ہماری نظر کے سامنے آجاتے ہیں اور ایک محدود وقت میں بھی اس کردار کی سیرت کا مکمل نقشہ پیش ہو جاتا ہے ہم اس کردار کی ذہنی و نفسیاتی زندگی کے بہت سے اہم اور باطنی لازوال سے واقف ہو جاتے ہیں اور ذہن اور شعور کی ہر آن بدلتی ہوئی کیفیتوں کی مدد سے کردار کی گذشتہ زندگی کو ایک بہت ہی محدود وقت میں پڑھنے والے کے سامنے لایا جاتا ہے۔"(۵)

شعور کی رو کے ساتھ ساتھ خود کلامی کی تکنیک اردو افسانے کا زیور تصور کی جاتی ہے، اس تکنیک میں افسانہ نگار اپنے خارجی اور داخلی جذبات کو بیان کرتا ہے۔ وہ خارجی کیفیات کو ایک مخصوص انداز میں بیان کرنے کے لئے اس تکنیک کا سہارا لیتا ہے وہ اپنی ذات کو ایک کردار کی صورت میں ڈھال کر پیش کرتا ہے اس تکنیک میں لکھاری یا مخاطب کی حیثیت غائبانہ ہوتی ہے لیکن اس کے جذبات اور خیالات واضح محسوس کئے جا سکتے ہیں۔ اس کردار کے ذریعے افسانہ نگار کی پوری شخصیت ابھر کر سامنے آتی ہے۔ اس میں انسانی ذہن کے مختلف درجات کو پیش نظر رکھ کر تخلیق عمل میں لائی جاتی ہے۔ یہ تکنیک نثر سے زیادہ شاعری میں کامیاب ہوتی ہے۔ ڈاکٹر فاروق عثمانی رقم طراز ہیں:

""Monologue" یا ہم کلامی ایک ایسا اسلوب بیان ہے کہ جس میں کردار اپنی ذہنی کیفیات کو مکالمے کی شکل میں بیان کرتا ہے۔ اس تکنیک میں خیالات، تصورات، تجربات اور نظریات کا ایک طویل سلسلہ ہوا ہے، لیکن اس طویل سلسلے کی مختلف کڑیوں کے درمیان ایک منطقی ربط موجود رہتا ہے، پریم چند کا افسانہ شکوہ اور شکایت اسی تکنیک کی مثال ہے۔ monologue میں مخاطب کی حیثیت غائبانہ ہوتی ہے اور اس کے ہونے کا احساس موجود رہتا ہے لیکن soliloquy میں یہ صورت حال نہیں ہوتی اس میں کردار کی اپنی اور صرف اپنی ذات ایک سلسلہ خیال کے اندر الجھی ہوئی ہوتی ہے۔"(۶)

فلیش بیک کی تکنیک میں ماضی حال اور مستقبل کی جھلک دکھائی جاتی ہے۔ اس میں لکھاری اپنے شعور اور لاشعور سے اپنے واقعات کو قلم بند کرتا ہے کہ قاری کے سامنے تمام واقعات ابھر کر سامنے آجاتے ہیں قاری خود کو اس ان دیکھی دنیا میں محسوس کرتا ہے اور وہ تمام مناظر اور واقعات سے جلد متاثر ہو جاتا ہے بیانیہ کی اس تکنیک میں ماضی سے حال اور حال سے ماضی کے واقعات بیان کئے جاتے ہیں۔ بعض اوقات واقعات کے درمیان ماضی کے واقعات کو سنجیدگی کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ اس میں کہانی کا حال کرداروں کے ماضی اور حال کی تصویر پیش کرتا ہے۔ وہ اپنی قوت متخیلہ کے ذریعے حال اور ماضی کی سرد جنگ کو بیان کرتا ہے۔

ہجوم کی گفتگو کی تکنیک اور سہ بُعدی تکنیک کا استعمال بھی اردو افسانوں میں ملتا ہے۔ دیویندر ستیار تھی کے افسانے "ستلج پھر بپھرا" میں ہجوم کی گفتگو کا استعمال ملتا ہے۔ اس تکنیک میں قاری ایک ہی واقعہ کو بیان کرتا جاتا ہے اور ساتھ ہی بعض واقعات کو پیش کرتا چلا جاتا ہے۔ سہ بعدی تکنیک میں مختلف زاویوں کو سامنے لایا جاتا ہے اور پھر واقعات کو یکجا کر کے پیش کیا جاتا ہے۔ ہجوم کی گفتگو کی تکنیک میں واقعات کی پیشکش قوت متخیلہ کے ذریعے کی جاتی ہے۔ ڈاکٹر نگہت ریحانہ خان اس تکنیک کی مثال یوں پیش کرتی ہیں:

"ایک تکنیک مسلسل تبصرے کی ہے جس کی جھلکیاں بیدی کے افسانے "دس منٹ بارش میں" میں ملتی ہیں، یہاں بیان کرنے والا اپنے گھر کے برآمدے میں کھڑا جو دیکھتا ہے اس کا بیان کرتا چلا جاتا ہے، یعنی واقعات کے بیان کے ساتھ اس کے اپنے اثرات کا اظہار بھی ہوتا ہے۔"(۷)

میجک رئیلزم کی تکنیک اردو افسانوی ادب میں بہت زیادہ ملتی ہے۔ اس اصطلاح کے بانی فرانزدہ ہیں۔ اس میں حقیقت پر فنٹاسی کا استعمال یا دونوں کی آمیزش کا استعمال ملتا ہے۔ اس تکنیک میں خوابوں، اساطیر کو بیان کیا جاتا ہے اس میں بعض خوف کے سوائے حقیقت اور اظہارات کو شامل کر کے بیان کیا جاتا ہے۔ اس تکنیک کے ذریعے ناسٹلجیائی کیفیت کو مخصوص انداز میں پیش کیا جاتا ہے:

"دراصل اساطیر اعتماد اور اعتقاد کی کہانیاں ہوتی ہیں جو حیرت جگاتی ہیں ان میں جذباتی تحیر کا نظارہ ہوتا ہے، جو زندگی کو باعمل بنانے کی تحریک فراہم کرتا ہے۔ ان میں مظہریاتی انداز کا وزن ہوتا ہے۔ ایک ناسٹلجیائی کیفیت ہوتی ہے جو تلاش کو راہ دیتی ہے۔ یہ تمام کیفیات اساطیری علامتوں کے واسطے سے نفسیاتی قوت کا ماخذ بن جاتی ہے۔"(۸)

اس تکنیک میں لکھاری واقعات کو ایسے اچھوتے اور منفرد انداز میں پیش کرتا ہے کہ قاری اُن کو اپنا ذاتی تجربہ خیال کرتا ہے وہ خود کو اس فضا میں ہنستا، چلتا، پھرتا محسوس کرتا ہے۔ لکھاری تمام جزئیات اور واقعات کو تفصیلی انداز میں پیش کرتا ہے تاکہ اصل حقائق سامنے لائے جا سکیں۔

مصوری کی تکنیک کو اردو افسانوں میں استعمال کیا جارہا ہے۔ اس تکنیک کا زیادہ تر استعمال کرشن چندر نے کیا ہے۔ ان کے افسانے مصوری تکنیک کی عمدہ مثال پیش کرتے ہیں ان کے مشہور افسانے "غالیچہ" اور زندگی کے موڑ پر" میں مصوری کی تکنیک ملتی ہے۔ اس تکنیک میں مناظر کو بڑی عرق ریزی اور فہم و فراست کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ اول سے آخر تک تمام واقعات کو یکجا کر کے پیش کیا جاتا ہے:

"Improbable Narration" میں معروضی تکنیک کا استعمال کیا جاتا ہے۔ بعض واقعات کو قبل از

قیاس اور بعد از قیاس بیان کیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ واقعات کو معروضی نداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ اس تکنیک میں تصویر کو سامنے رکھ کر ماورائی عناصر اور تصورات کو بیان کیا جاتا ہے۔ اسکیچ نگاری کی تکنیک میں تمثیل، اشاروں، کنایوں کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اس میں گفت وشنید کے ذریعے تصویریں بنائی جاتی ہیں۔ خیالات اور تصورات کو ایسا بیان کیا جاتا ہے کہ آدمی پڑھنے کے بعد بے خود ہو جاتا ہے۔

ضمیمہ نگاری کی تکنیک کے ذریعے واقعات کو بڑھاچڑھا کر پیش کیا جاتا ہے ان واقعات میں نئے افکار اور سماجی خیالات کو اس طرح پیوست کیا جاتا ہے کہ عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے ڈاکٹر خورشید احمد لکھتے ہیں:

"اس میں کسی مشہور افسانوی متن کو لے کر کہانی کو آگے بڑھایا جاتا ہے، جس میں کردار نئے تقاضوں کے تحت نئی سماجی اور نفسیاتی صورت حال سے دوچار ہوا ہے۔"(۹)

علامتی اور تمثیلی تکنیک میں اساطیری مفاہیم اور واقعات کو علامتی انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ علامتی تکنیک میں بعض واقعات کو ایک مخصوص سانچے (علامتی تکنیک) میں ڈھال کر پیش کیا جاتا ہے۔ افسانہ نگار اپنی ذاتی زندگی کے مختلف واقعات اور معاشرتی مسائل کو علامتی انداز میں پیش کرتا ہے۔ وہ آسان علامتوں کا استعمال کرتا ہے تاکہ قاری کسی ابہام کا شکار نہ ہو جائے اور اصل حقائق سے باخبر رہے بعض اوقات واقعات کو اور بعض اوقات موضوعات کو علامتی انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ علامتی انداز میں معنی کو پوشیدہ رکھا جاتا ہے اور زیادہ معنویت کو شامل کیا جاتا ہے، عصر حاضر کے افسانوں میں علامتی انداز کا استعمال بہت کم کیا جاتا ہے جبکہ تمثیلی انداز کی جھلک واضح ملتی ہے۔ حقیقت میں علامت کثیر المفہوم آتی ہے اور تمثیل میں ایک ہی معنی ہوتا ہے۔ عصر حاضر کے ادیبوں نے علامتی انداز کو یکسر رد کر دیا ہے اور تمثیلی انداز کو اپنا کر افسانہ کو تجریدی بنا دیا ہے۔ اگر تمثیلی اور علامتی کہانی کا عمیق نظری سے مشاہدہ کیا جائے تو ان میں کوئی واضح فرق نظر نہیں آتا۔ شمس الرحمن فاروقی لکھتے ہیں:

"نئے افسانے میں داستانوی افسانہ، علامتی افسانے سے الگ کوئی چیز نہیں ہے نیز یہ بھی کہ علامت میں اکثر وبیشتر تمثیلی عنصر علامتی عنصر کے ساتھ باہم آمیز ہو کر آتا ہے اس میں قدیم کتھا کہانی کی سادگی بھی ہے اور آرٹ کا ڈسپلن بھی چنانچہ داستانوی یا تمثیلی کہانی کی الگ سے درجہ بندی غلط ہے اور یہ اصلاً علامتی کہانی ہی کا ایک پیرایہ ہے۔ زیادہ سے زیادہ اسے "علامتی تمثیلی" کہانی کہا جاتا ہے۔"(۱۰)

سرئیلزم کی تکنیک میں خیال کو بہت زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ اس میں منطق استدلال کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے۔ بعض اوقات نفسیاتی جائزہ اور مشاہدہ کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ ڈاکٹر جمیل اختر محبی نے سرئیلزم کے لئے Automatic dictation کہا ہے ان کے نزدیک یہ نفسیاتی عمل کے اظہار کا نام ہے وہ کہتے ہیں کہ نفسیاتی عمل

میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جاتی اس میں شعور کی رو کا استعمال تو ہوتا ہے لیکن اس کو بنیاد نہیں بنایا جاتا۔ وہ لکھتے ہیں:

"شعور کی رو کی وضاحت کی روشنی میں ان دو تکنیکوں میں فرق محسوس کیا جاسکتا ہے سرریئلزم جہاں ایک مخصوص لمحوں میں گزرے ہوئے خیالات کو گرفت میں لاتی ہے، وہاں شعور کی رو صدیوں کا سفر طے کرتی ہے پھر سرریئلزم جہاں ذہنی و عقلی واقعات سے آزاد ہو جانے پر زور دیتی ہے وہاں شعور کی رو اس قسم کی کوئی شرط نہیں لگاتی۔"(۱۱)

افسانہ انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو بیان کرتا ہے۔ یہی وہ واحد ذریعہ ہے جس کے ذریعے انسانی خیالات کو پیش کیا جاتا ہے۔ افسانہ نگار کے خیالات اور احساسات کو بیان کرنے کا نام تکنیک ہے۔ تکنیک دراصل مواد کے اظہار کا نام ہے تکنیک کے مباحث اصل حقائق سے پردہ ہٹانے میں ناکام رہتے ہیں۔ تکنیک دراصل خیالات کی پیش کش کا ذریعہ ہے۔ تکنیک کی اصطلاح اُردو ادب میں بڑی اہمیت کی حامل ہے اور یہ بیانیہ کے ساتھ مل کر ادب کو تخلیق کرانے میں مدد فراہم کرتی ہے۔ تکنیک کے ذریعے خیالات پیش کئے جاتے ہیں اور بیانیہ کہانی کو پیش کرتا ہے۔

حوالہ جات

۱. ممتاز شیریں، معیار، نیا ادارہ، لاہور: بار اول، ۱۹۶۳ء، ص ۶۱

۲. مرزا حامد بیگ، ڈاکٹر، افسانے کا منظر نامہ، لاہور: مکتبہ عالیہ، طبع دوم ۱۹۹۷ء، ص ۳۱۰

۳. ایاز محمود، سید، بیانیہ اور کہانی، مشمولہ مکالمہ کتابی سلسلہ 17، اکادمی بازیافت، کراچی: ۲۰۰۹ء، ص ۱۲۹

۴. عقیلہ جاوید، ڈاکٹر، بیانیہ افسانہ کیا ہے؟ مشمولہ دریافت ۵، اسلام آباد: نیشنل یونی ورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، ص ۶۴۵

۵. سید وقار عظیم، نیا افسانہ، کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، طبع دوم، ۱۹۵۷ء، ص ۵۰

۶. فاروق عثمانی، مکالمات نظر، ملتان: بیکن بکس، 1998ء، ص ۳۶، ۳۴، ۳۳

۷. نگہت ریحانہ خان، ڈاکٹر، تنقید کے مثبت رویے، نئی دہلی: ثمر آفسٹ پریس، ۱۹۹۷ء، ص ۱۹

۸. مہدی غضنفر، افسانہ بیسویں صدی کی روشنی میں، دہلی: معیار پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء، ص ۱۴۷

۹. خوشید احمد، ڈاکٹر، نئے افسانے میں تکنیک، مشمولہ، نیا افسانہ مسائل اور میلانات، مرتبہ پروفیسر قمر رئیس، دہلی: اُردو اکادمی، ۲۰۰۱ء، ص ۹۲

۱۰. گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، نیا افسانہ علامت، تمثیل اور کہانی کا جوہر، مشمولہ مکالمہ، ہم عصر اُردو افسانہ 1، کتابی سلسلہ ۱۶، کراچی، جولائی، ۲۰۰۷ء دسمبر ۲۰۰۷ء، ص ۱۵۳

۱۱. جمیل اختر محبی، ڈاکٹر، فلسفہ وجودیت اور جدید اُردو افسانہ، دہلی: ایجوکیشن پبلشنگ ہاؤس، دہلی: ۲۰۰۲ء، ص ۴۱